ڈاکٹر شمس الدین احمد

(۴)

مشتاق کشمیری کے ہمعصر شعرا

نامناسب نہیں کہ مشتاق کشمیری کے ہمعصر شعرا کا ذکر کیا جائے۔ تاکہ مشتاق کے اسلوب شعر پر مفصل بحث کرتے وقت اُس کے کلام کے محاسن، امتیازی خصوصیات یا معایب وغیرہ کا اُس کے ہم زمان شعرا کے خصائص کلام کے پس منظر میں، تعین کیا جا سکے۔ مشتاق کے ہمعصر شعرا کی تعداد جو اُس سے پہلے، اُس کی زندگی میں یا اُس کے بعد وفات پا گئے خاصی ہے لیکن میں یہاں پر اُن چند شاعروں کا ذکر کروں گا جنھوں نے کشمیر میں فارسی ادب کے ماحول پر نمایاں اثر ڈالنے میں کامیابی حاصل کی اور جن کے شاگردوں نے اُن کی وفات کے بعد اُن کے شعری اسلوب کی روایات کو سالہا سال تک زندہ رکھا۔

جویا کشمیری

میرزا داراب بیگ نام اور جویا تخلص تھا۔ ملا سامری جو خود ایک عالم و فاضل، سخن فہم اور نکتہ شناس آدمی تھا، جویا کا باپ تھا۔ جویا کی زندگی کے بارے میں مفصل اطلاعات میسر نہیں۔ مختلف تذکروں[1] میں آیا ہے کہ جویا دراصل تبریز (ایران) کا تھا۔ ریحانۃ الادب کے مؤلف نے لکھا ہے کہ:

"او (جویا) و برادرش کامران متخلص بہ گویا ہر دو در کشمیر زائیدہ و در تبریز نشو و نما یافتہ ... ..."[2]

اگرچہ جویا کا خاندان تبریز سے تھا[3] لیکن یہ کہ کشمیر میں پیدا ہونے کے بعد اُس کی تربیت تبریز میں ہوئی۔ درست معلوم نہیں۔ جویا نے نہ خود اس بارے میں اپنے کلام میں ذکر کیا ہے اور نہ ہی دوسرے تذکرہ نگاروں نے۔ چنانچہ کشمیر سے باہر جویا

---

[1] مثلاً: صبح گلشن۔ صحف ابراہیم۔ سفینۂ خوشگو۔ ریحانۃ الادب۔ تذکرۂ ملوک و فضلا۔

[2] ریحانۃ الادب ج ۱ ص ۲۹۳

[3] گنج سخن ج ۳ ص ۱۱۹

کا سفر کرنا بھی مشکوک ہے۔ ڈاکٹر محمد باقر نے جویا کا اہالی لاہور کی ہجو میں لکھا ہوا شعر نقل کر کے لکھا ہے کہ جویا نے لاہور تک کا سفر کیا تھا۔ شعر یہ ہے ؎

از مردم لاہور مجو صدق و صفا — باشد دل شان مایل تلبیس و ریا

یہ شعر جویا کے لاہور تک سفر کرنے کی دلیل نہیں ہو سکتا۔ ممکن ہے کہ کشمیر سے غیر معمولی دلچسپی رکھنے کے نتیجے میں مغلیہ بادشاہوں کے دورِ حکومت میں جو لوگ لاہور اور دہلی یا آگرہ جیسے بارونق شہروں سے کشمیر آ کر کشمیریوں کے ساتھ گھل مل جاتے تھے اور اس طرح کی باہمی معاشرت سے انہیں ایک دوسرے کے اخلاق و کردار کو پرکھنے کا موقع میسر ہوتا تھا، جویا نے لاہور والوں کو پسندیدہ نگاہوں سے نہ دیکھتے ہوئے کشمیر میں بیٹھے ہی اہالی لاہور کی ہجو لکھی ہو۔ تاہم بالفرض اگر یہ مان لیا جائے کہ جویا نے لاہور تک سفر کیا تھا (اور بعید نہیں کیا بھی ہو) لیکن جویا کا تبریز میں نشو و نما پانا ایک فرضی قصہ ہے۔

جویا کشمیر میں پیدا ہوا اور اپنے سخن فہم و صاحب علم باپ سے تربیت پائی اور اس طرح سے بچپن سے ہی ادبی ماحول میں اُس کی نشو و نما ہوئی جو بعد میں اُس کے ایک پختہ کار فارسی شاعر بننے کا موجب بنی۔ جویا کے خاندان کا ایک علمی و ادبی خاندان ہونے کے حق میں یہ کہنا کافی ہوگا کہ اُس کا بھائی کامران بیگ گویا[1] بھی، جو خود

---

[1] سفینۂ خوشگو میں درج ذیل کی عبارت سے بھی جویا کے ادبی ماحول کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ مولف سفینۂ خوشگو کہتا ہے ؎ "میرزا جویا —— اسم شریفش داراب بیگ۔ اگرچہ مثل زادۂ ایرانی است چون توطن در کشمیر اختیار کردہ بود آنجا بی مشہور شدہ۔ صاحب سخن عالی ہمت بود۔ مشق بکمال رسانیدہ۔ داراب بیگ جویا و کامران بیگ گویا ہر دو برادر تخلص از ابوطالب کلیم اختیار کردہ اند۔ مشق کامران بیگ گویا در خدمت سامری تبریزی درست شدہ و فتح بیگ تسکین کہ ذکرش گذشت برادر ایشان است و گویا در جای خود ذکرش خواہد آمد ... محمدی بیگ صحت تخلص برادر زادۂ جویا درین زمان شاعری خوش سلیقہ و خوش صحبت و با خان صاحب آرزو بسیار آشنا بود ... "

[2] کامران بیگ گویا، ملا سامری کا بیٹا اور میرزا داراب بیگ جویا کا بھائی تھا۔ اپنے باپ ملا سامری کا شاگرد تھا۔ گویا ایک متین اور عمدہ شاعر تھا۔ واقعات کشمیر (بقیہ اگلے صفحہ پر)

کشمیر کے مشہور فارسی شاعروں میں شمار ہوتا ہے۔ ملا سامری (اپنے باپ) سے تربیت یافتہ تھا۔ سفینۂ ہندی کے مؤلف نے گویا کے علاوہ جویا کے ایک اور بھائی فتح بیگ تسکین کا ذکر کیا ہے جس نے اپنے دونوں بھائیوں کی طرح اپنے ہی خاندان کے علمی اور ادبی ماحول میں نشو و نما پاکر فن سخن میں نام پیدا کر لیا تھا۔ نیز مؤلف مذکور نے جویا کے برادر زادہ مہدی بیگ صحت کا بھی ایک خوش سلیقہ و خوش صحبت شاعر کی حیثیت میں نام لیا ہے۔[۱]

جویا مغلیہ گورنر ابراہیم خان[۲] کے دربار سے وابستہ تھا اور ابراہیم خان کا خاص ندیم و مقرب ہونے کی وجہ سے بڑی عزت و احترام کے ساتھ زندگی گذارتا تھا۔[۳]

(بقیہ فٹ نوٹ) اور تاریخ حسن کے مؤلفین کے لئے شاعری میں وہ اپنے بھائی جویا کے برابر تھا (واقعات کشمیر ص ۲۰۸۔ تاریخ حسن ج ۴ ص ۲۷) اور سفینۂ ہندی کے مؤلف کے بقول: "از برادر خود جویا پایۂ کلم نمی آورد و بہمہ حال با معاصران کلہ بکلہ می نہاد" (سفینۂ ہندی ص ۴۳۳)۔ کہتے ہیں کہ ملا شیدا نامی شاعر جو فن شعر میں ایک بلند رتبہ رکھتا تھا، کشمیر میں ایک مشاعرے میں گویا سے آشنا ہوا۔ باتوں باتوں میں گویا نے فن شعر سے متعلق بحث چھیڑ دی اور شیدا کے جواب میں کچھ باتیں ایسی کہہ گیا جس سے شیدا رنجیدہ ہوا اور گویا سے مخاطب ہو کر کہا: "چگونیم با آن کافر ساحری کہ مثل تو گوسالہ را گویا نمودہ" ملاحظہ ہو صحف ابراہیم ج ۴ صحیفہ ک شمارہ شاعر ۲۸)۔ نمونۂ کلام سے

چون طائر تصویر بجائی نرسیدیم سوختیم درین راہ عبث بال و پری چند

بیطالعی نگر کہ بگوش تو رہ نیافت با نگ نالہ ہا کہ من از آسمان گذشت

زہجر مردم و گویند کہ یار می آید بکار من کہ نیاید چہ کار می آید بود فیضی دگر در عالم از خود رمیدنہا

برآ از خویش و جا کن در بہشت آرمیدنہا ٭ من و از غیر تو بگذشت تو و باغیر من الفت من و پیوستن با تو تو و از من رمیدنہا۔

[۱] سفینۂ ہندی ص ۹۷ [۲] ابراہیم خان، علی مردان خان کا بیٹا تھا۔ علی مردان خان شاہجہان بادشاہ کے زمانے میں ۱۰۵۲ ہجری میں کشمیر کا گورنر تھا۔ ابراہیم خان کشمیر میں چار بار اس عہدے پر فائز رہا۔ تین بار اورنگ زیب عالمگیر کے عہد حکومت میں یعنی ۱۰۷۳ھ میں ڈیڑھ سال تک ۱۰۸۹ھ میں آٹھ سال تک اور ۱۱۰۳ھ میں پانچ سال اور چند مہینوں تک اور ایک بار عالمگیر کے بیٹے شاہ عالم کے عہد سلطنت میں ۱۱۲۱ھ میں صرف تین مہینوں تک۔ کشمیر لوگوں کے ساتھ ظلم و ستم روا رکھنے کی بنا پر اورنگ زیب نے اسے دو بار اس عہدے سے برطرف کیا۔ ۱۰۹۷ھ میں اور ۱۱۰۹ھ

[illegible]

خان موصوف کی مدح میں جویاؔ نے قصیدے لکھے ہیں۔

— جویاؔ شیعہ مذہب تھا۔ امیر المومنین حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ اور ائمہ معصومین کی ستائش میں قصائد لکھے ہیں۔ واقعات کشمیر کے مؤلف نے لکھا ہے کہ جویاؔ نے ایک سُنی عالم کی موت پر یہ شعر شوخی سے کہا تھا؎

بر سرش گُل باد گرز آہنین　　　　بر نعشش نارِ جہنم نور باد!

ایک سُنی شاعر نے بعد میں جویاؔ کی وفات پر اس شوخی کا جواب شوخی سے ہی یوں لکھا

رافضی تاریخِ جویا بست و ہفتش کم بود　　　　چونکہ گز کردند اُو را گشت نارِ خیش درست[1]

جویاؔ نے ۱۱۱۸ھ میں وفات پائی[2] اُس کا ایک کلیات باقی رہ گیا ہے جو بقول صاحب صحف ابراہیم آٹھ ہزار[3] اور سفینۂ ہندی کے بیان کے مطابق سات ہزار[4] شعر پر مشتمل ہے۔ پنجاب یونیورسٹی لاہور (پاکستان) کے فارسی شعبہ کے پروفیسر، ڈاکٹر محمد باقر نے جویاؔ کا کلیات چھاپ دیا ہے اور اسے مندرجہ ذیل حصوں میں تقسیم کیا ہے۔

دیباچہ (فارسی نثر میں)۔ قصائد حمد و نعت و مناقب۔ مثنویات، قطعات، متفرقات، غزلیات، رقعات (نثر میں) دیباچہ مرقع۔ دیباچہ بر دیوان صائب۔ دیباچہ سفینہ[5]

تسکین کے بارے میں مؤلف سفینۂ خوشگو نے لکھا ہے؎

"نام او میرزا فتح علی، برادر کامران بیگ گرامی و داراب بیگ جویاؔ بودہ کہ درین نسخہ ذکر احوال ہر ایک از ایشان بجای خود خواہد آمد۔ بہر حال میرزا فتح علی تسکین مشق درست داشت۔ در عین جوانی بعہد عالمگیر از کشمکش روزگار تسکین یافت۔ نمونۂ شعر

شبی کہ عارض او در انجواب می بینم　　　　ستارہ شبنم و آفتاب می بینم!

بکیش حق پرستان کفر از پندار می باشد　　　　رگ گردن میان اہل دل زنار می باشد"

— ملاحظہ ہو سفینۂ خوشگو ص ۸۰

[1] واقعات کشمیر ص ۲۰۶　　[2] صاحب صحف ابراہیم نے لکھا ہے "چون سخن را در کنار خود پروردہ بود تاریخ وفات او سخن پرور بود":　[3] صحف ابراہیم صحیفہ ج شمارہ شاعر ۷۵:

[4] سفینۂ ہندی ص ۹۷ نیز ملاحظہ ہو: دانشمندان آذربایجان ص ۱۰۱-۱۰۲:

[5] کلیات جویا تبریزی باہتمام ڈاکٹر محمد باقر چھاپ پنجاب یونیورسٹی پاکستان (۱۳۴۷ھ شمسی)

Scanned with OKEN Scanner

تذکرہ نویسوں نے جویا کی شاعری کو بہت سراہا ہے اور سبھی اس بات پر متفق ہیں کہ جویا ایک عمدہ اور اونچے درجے کا معنی آفرین شاعر تھا۔

مؤلف واقعات کشمیر خواجہ محمد اعظم دیدمری کہتا ہے :

"صاحب سخن و معنی یاب بود ... و از شعرای عہد خود امتیاز داشت و صاحب دیوان فصاحت بیان است ... ...[1]"

صاحب تاریخ حسن پیرزادہ حسن شاہ کھویہامی کا بیان ہے :

"میرزا داراب جویا پسر ملا ساری سخندان و معنی رس بود ... ...[2]"

ریحانۃ الادب کے مؤلف محمد علی تبریزی نے لکھا ہے :

"مطبوع طبع ارباب ذوق بودہ ... ... "[3]

صاحب سفینۂ خوشگو بندرابن داس خوشگو کا خیال ہے :

"صاحب سخن عالی ہمت بودہ ... ...استاد فن خوشخیال بود و پختہ گوست"[4]

احمد علی ہاشمی صاحب مخزن الغرائب نے لکھا ہے :

"شاعر بانام است ... ...[5]"

ابراہیم علی خان مؤلف صحف ابراہیم کا کہنا ہے :

"... ازمشاہیر شعرای عہد اورنگ زیب عالمگیر است ... ... در تلاش معنی سعی رسا داشت ... ...[6]"

میر حسین دوست سنبھلی صاحب تذکرہ حسینی لکھتا ہے :

"طوطی گویا میرزا داراب جویا، صاحب طبع سلیم بودہ است ...[7]"

سید علی حسن خان صاحب صبح گلشن کا بیان ہے :

"بعد غنی کشمیری استاد مسلم الثبوت سخن سنجان آندیار (کشمیر) بودہ...[8]"

ان بیانات سے اخذ کیا جا سکتا ہے کہ جویا نے ایک نامور شاعر کی حیثیت میں شہرت پائی

---

[1] واقعات کشمیر ص ۲۰۷ ؛ [2] تاریخ حسن ص ۲۶ [3] ریحانۃ الادب ج ۱ ص ۲۹۳ ؛ [4] سفینۂ خوشگو ص ۷ ۹ [5] مخزن الغرائب ج ۱ ص ۸۰ [6] صحف ابراہیم ج ۲ صحیفہ ج شمارہ شاعر ۷۵ ؛ [7] تذکرہ حسینی ص ۸۷ ؛ [8] صبح گلشن ص ۱۱۰ ؛

تھی۔ جویا کی عالمگیری عہد کے دو معروف شاعر اشرف مازندرانی[1] اور ملا تجلی[2] کے ساتھ جو ایران سے ہندوستان آئے تھے اور کشمیر میں متعین مغلیہ گورنر ابراہیم خان کے دورِ حکومت میں سیر و سیاحت کی غرض سے کشمیر میں کچھ عرصہ تک رہے، مصاحبت تھی[3]۔ جویا نے مسلماً ان دونوں ایرانی شاعروں کی صحبت سے بھی استفادہ کرکے اپنے فن شعر و سخن کو جلا دی ہوگی اور مضامین کے تازہ پن اور بیان کی لطافت کا جو پہلو جویا کے کلام میں کہیں کہیں غالب ہے ممکن ہے ان ہی اُستادانِ فن کی فیضِ صحبت کا نتیجہ ہو۔

جویا نے فن شعر میں میرزا صائب تبریزی کا تتبع کیا ہے اور اُن کی توصیف میں کہا ہے

صائب ز سخن بہرۂ نامی کہ تراست　　باشد شائستہ تو نامی کہ تراست
نتواند ادا کرد زبانِ تحسین　　حق نمک حسن کلامی کہ تراست

---

[1] ملا محمد سعید اشرف مازندرانی، مولانا محمد صالح مازندرانی کے فرزند تھے۔ عالمگیر کے عہد میں ایران سے ہندوستان آئے اور عالمگیر کی بیٹی زیب النساء بیگم کے اتالیق مقرر ہوئے۔ اشرف ایک معنی آفرین اور خوش خیال شاعر تھے اور اکثر ایہام گوئی کی صنعت کو برتتے تھے۔ اور متاخرین شعرا کی تمثیل، تشبیہات، محاورات و اصطلاحات کی طرف خاص توجہ رکھتے تھے۔ لطیف و نازک طبع شاعر تھے۔ تذکرۂ نصر آبادی کے مؤلف میرزا محمد طاہر نصر آبادی کے بقول ملا اشرف فن شعر کے علاوہ معما گوئی میں بھی خاصی مہارت رکھتے تھے نمونۂ کلام :

اشکی کہ راز عشق بگوید فشاندنی است　　طفلی کہ خوش محاورہ افتد نماندنی است
از غم افلاس اوقاتم بہ بے ہوشی گذشت　　چون چراغ مفلسان عمرم بخاموشی گذشت
تا سحر سیری مہتاب جمالش بودم!　　جامۂ صبر کتان بود نمی دانستم!

[2] ملا علی رضا تجلی کمال الدین حسین نامی ایک عالم و فاضل آدمی کا بیٹا تھا۔ تعلیم سے فراغت پاکر ایران سے ہندوستان پہنچا اور علی مردان خان کے بیٹے ابراہیم خان کا اتالیق مقرر ہوا۔ ہفت ہزاری کا منصب پایا اور امیر الامراء کے خطاب سے نوازا گیا۔ اس کے بعد واپس اصفہان گیا اور وہاں شاہ سلیمان صفوی کے دربار سے ۱۰۸۳ھ میں وابستہ ہوگیا۔ معنی بند، بلند طبع اور فکر رسا رکھنے والا شاعر تھا۔ گیارہ سو ہجری میں وفات پائی۔ مثنوی معراج الخیال اسکی معروف تصانیف میں سے ہے۔ نمونۂ کلام : تو کشتی بادہ و تجلی آہ　آتش آنجا بلند و دود اینجا : تسکین دہم بوعدہ لبی اضطراب را مانند تشنہ ای کہ بیابد سراب راہ : [3] واقعات کشمیر ص ۲۰۷ :

جویاؔ کے کلام میں فصاحت اور روانی پائی جاتی ہے۔ مضامین کا تنوع بھی ہے اور لطافت بیان بھی۔ مثلاً چند یہ شعر ملاحظہ ہوں ؎

اسیر سادہ دلیہای زاہدم جویاؔ ! — غم زمانہ بخورد و شراب ناب نخورد
گہر بگذشت دل آوارۂ ناشاد ازین صحرا — کہ ہمچون آہ درد آلود نیزو باد ازین صحرا
نہ ہمین لالہ زداغت رہ صحرا بگرفت — تا تو از باغ شدی خاک نشین گشت چمن
امروز نگین آن لب لعل — در کشور حسن نام دارد!
کمر بر خواری ارباب ہمت بستہ چرخ دون — بآب روی مردان روز و شب این آسیا گردد
ماہ نو امروز اگر با ابروش در ہمسری ست — ہفتۂ دیگر تماشا کن سپر میافگند !
چو میدیدم دلش را مایل بیتابی عاشق — بانگ جور او دانستہ صد فریاد میکردم
مست و بیخود شوخ من افتادہ است — بر زمین ہمچون چمن افتادہ است
سروکار دل دیوانہ ام افتاد با طفلی — کہ ہرجا نالہ بر میدارد این، آن سنگ بردارد
سخن چو شیرۂ کہان سالہا چکید ز لبم — بانیکہ لعل لبت را مکیدہ ام امشب
از آتش سودای تو چون کرم شب افروز — ہر شام چراغ خود و پروانۂ خویشم

ڈاکٹر ذبیح اللہ صفا نے جویاؔ کے کلام کی خصوصیات کے ضمن میں جویاؔ کے مجازی و استعاری ترکیبات کے استعمال اور تمثیل بستن کا ذکر کیا ہے[۱]۔ چونکہ اس قسم کی ترکیبوں کا استعمال اُس زمانے کے عام مذاق سے میل کھاتا تھا اسلئے ایسی ترکیبات کا استعمال کم و بیش ہر شاعر کے کلام میں موجود ہے۔ لیکن یہ صحیح ہے کہ جویاؔ نے ان ترکیبات کو اس طرح سے برتا ہے کہ ان کے بھاری بوجھ کے نیچے شعر کا مضمون پامال نہیں ہو جاتا۔ یہ چند شعر ملاحظہ ہوں ؎

تخم اشکی کہ ز درد تو فشاندیم بخاک — نخل آہی شد و از سینۂ صحرا برخاست
در خیالت برہ دیدہ و دل بسکہ دوید — نگہ از چشم ترم آبلہ بر پا برخاست
ملاحت، از نمک پروردہ ہای اوست میدانم — تبسم، خانہ زاد آن لب کم گوست میدانم
قیامت، دردش بر دوش خرام سرو آزادش — رعونت، سایہ پرورد نہال اوست میدانم

۱؎ گنج سخن تالیف ڈاکٹر ذبیح اللہ صفا ج ۳ ص ۱۱۹

جادہ ! دُور از خراشش سینہ چاک افتادہ اند   کام یاب از پابوس او لب باست ولس

جویا نے تازہ و بدیع مضامین بھی باندھے ہیں اور بڑی نازک خیالی کے ساتھ باندھے ہیں ؎

مپرس حال دل تیرہ ام کہ از دم صبح   کدام روز کہ این آئینہ غبار نداشت
باز ماندہ زکار قطرہ زدن !   بسکہ اشکم ز پی دوید ترا !
خیال غنچۂ لعلی چو ہوشم در سر است امشب   میئم افسردہ یاقوت گل در ساغر است امشب

جیسا اوپر بیان ہوا ترکیبات و استعارات کا بھی جویا نے اپنے زمانے کے مذاق کے تقاضا کے مطابق استعمال کیا ہے اور اس پر پوری قوت صرف کی ہے۔ کہیں کہیں ان میں تنوع بھی پایا جاتا ہے ؎

ہندوی چشم شوخ تو از سرخی خمار   امروز رنگ میکدہ در سومنات ریخت
چشم بد دور از آن آتش رخسار کہ دوش   سوخت جویا چو سپند از غم او کوکب ما
فتاد تا دلم آن مست شوخ و شنگ شکست   بشیشہ خانۂ رنگم ہزار رنگ شکست

لیکن ایک غزل گو شاعر کے کلام میں ترکیبات و استعارات کی خصوصیات کا ہونا ہی کافی نہیں۔

ڈاکٹر محمد باقر نے لکھا ہے:

"اگرچہ جویا در تمام فنون سخن طبع آزمائی کردہ است ولی اختصاص و اہمیت او در غزل سرائی است۔" اس کے بعد ان خصائص کو مضمون بدیع و تازہ، استعارات و ترکیبات مجاز، کثرت استعمال امثال و اصطلاحات، استعمال صنعت مراعاۃ النظیر اور تمثیل و ارسال المثل کے عنوانات میں تقسیم بندی کی ہے۔[1]

جیسا میں نے جویا کی غزلوں میں سے انتخاب کرکے اُس کے محاسن شعری کی طرف اوپر اشارہ کیا ہے اور گاہ بگاہ اُس کے لطافت بیان یا مضامین کی تازگی کی طرف بھی ذہن متوجہ ہو جاتا ہے لیکن مجموعی طور پر جویا کی غزلوں کا دقت سے مطالعہ کرنے کے بعد غزل کے لازمی اجزا یعنی تاثیر و شیرینی ادا، شگفتگی اور قدرت بیان نیز جدت

---

[1] مقدمہ کلیات جویا تبریزی باہتمام ڈاکٹر محمد باقر

Scanned with OKEN Scanner

اداکے عناصر سے جویا کا کلام عاری ہے۔ اکثر و بیشتر جویا نے اپنے کلام اور بالخصوص غزل میں ترکیبات و استعارات کو لانے اور الفاظ کی باہم پیوستگی کی طرف اپنی تمام تر توجہ کو مبذول کیا ہے۔ اگرچہ اول اول ان ترکیبات کے استعمال کا ملاحظہ کرنے سے ان کے کلام کی داد دئے بغیر نہیں رہا جاسکتا لیکن بعد میں کثرت استعمال سے کلام کی خوبصورتی، حسن اور رنگینی میں نمایاں فرق محسوس ہوتا ہے اور صاف معلوم ہوجاتا ہے کہ بعد میں جویا ایک کاریگر کی طرح الفاظ کو جوڑ دیتا ہے اور اس طرح کی طلسم بندی سے کمزور بنیاد کو استوار بنانے میں کوشاں رہتا ہے یہی وجہ ہے کہ جویا کی کلیات میں ایسے اشعار کی کثرت ہے جن کو پڑھ کر آدمی کی توجہ الفاظ کے ظاہری حسن کی طرف مبذول ہوجاتی ہے شعر کے باطن کی طرف نہیں۔ گویا جویا نے شعر سازی کی ہے اور الفاظ کے گورکھ دھندے میں ایسا الجھا ہے کہ نکل نہ سکا۔ اسی لئے ایک ہی چیز پر پوری قوت صرف کرکے وہ تھک جاتا ہے اور کسی نئی چیز کی اختراع نہیں کرپاتا اور اس کے نتیجے میں اشعار میں سستی اور ضعف پیدا ہوگیا ہے۔ یہ شعر ملاحظہ ہوں:

نگاہ او چہ خونریز است از پہلوی مژگانش   چو ماہی باخود این خنجر ہزاران نیشتر دارد

کبود از بوسہ امشب لعل آن رشک پری دیدم   گل شفتالوی این باغ را نیلوفری دیدم

ہمچو آن عینک کہ در جزوی فراموشش کنند   کردم از شوقش نہان درنامۂ چشم خویش را

در گرد کلفتم دل بے تاب می طپید   بے بادہ ہمچو ماہی بے تاب می طپید

خوش است بوسہ بر آن لعل خط دمیدہ خوش است   بلی حلاوت شفتالوی رسیدہ خوش است

خامہ ام گاہی باو گر نامہ ای انشا کند   چون زبان کودکان در سالہالش واکند

برق بیتابیم را کہسار غم جولانگہ است   دل طپیدن شہپر عنقا می قاف دگر است

موسم جوش گل و نسترن است   لالہ ترا کی سیر چمن است

غزل کا تاثر، سوز، سادگی اور شیرینی جویا کی غزلوں میں مفقود ہے اور چونکہ یہ خاصیتیں قلبی واردات کا نتیجہ ہوتی ہیں اسلئے ماننا پڑتا ہے کہ جویا کے شعر دماغی کاوشوں کی پیداوار ہے۔ جویا کے اشعار دماغ سے نکلے ہیں، دل سے نہیں۔

ملّا ساطع کشمیری

عبدالحکیم نام اور ملّا غالب کا بیٹا تھا۔ خواجہ محمد اعظم دیدہ مری[1]، جو اُس کا ہمعصر اور بیس[20] سال تک اُس کے ساتھ دوستانہ روابط رکھتا تھا، ساطع کے بارے میں لکھتا ہے کہ طالب علم ہونے کی وجہ سے اُسے شعر سے رغبت تھی۔[2] شعر گوئی کے آغاز میں لالہ ملک شہید[3] سے اصلاح پاتا تھا اور شہید نے اُس کے جودت طبع اور شعری استعداد کو بھانپ کر اُسے داراب بیگ جویا کے پاس بھیج دیا۔ ساطع، جویا کے شاگردوں کے حلقے میں شامل ہوا اور اس طرح سے وہ درباری اُمرا کی مصاحبت میں بھی رہنے لگا۔ آخر کار پشاور چلا گیا اور اورنگ زیب عالمگیر کے بیٹے شاہ عالم جو اُن دنوں پشاور کے صوبیدار تھے اُن کے دربار سے

---

[1] تذکرہ روز روشن میں لکھا ہے کہ ساطع کا نام ملّا ابوالحسن ابن ملّا علی تھا۔ لیکن یہ صحیح نہیں ہے۔ خواجہ محمد اعظم دیدہ مری صاحبِ واقعات کشمیر نے، جو ساطع کا ہمعصر اور بیس سال تک اُس کا دوست رہا ہے ساطع کے حالات زندگی کے بارے میں اپنی تالیف میں جو کچھ مختصر طور پر لکھا ہے قابلِ اعتبار ہے۔ اسی بنا پر ساطع کا نام عبدالحکیم اور باپ کا نام ملّا غالب، جیسا کہ خواجہ محمد اعظم نے بیان کیا ہے، یقیناً درست ہے۔ ملاحظہ ہو واقعات کشمیر ص ۲۴۸ تا ۲۵۰۔ [2] واقعات کشمیر ص ۲۴۸۔ [3] لالہ ملک شہید کشمیر کے ایک مشہور شاعر گذرے ہیں۔ تاریخ گوئی میں غیر معمولی مہارت پائی تھی اور کشمیر کے تذکرہ نگاروں کے بقول "درین فن سحر کاری میکرد"۔ حضرت سید عبدالقادر گیلانی رح کی مدح میں گیارہ سو شعر لکھے ہیں اور ہر شعر سے حضرت سید عبدالقادر گیلانی رح کی ولادت، اُن کی عمر اور اُن کے سال وفات کی تاریخ نکلتی ہے (ملاحظہ ہو۔ تاریخ حسن ج ۴ ص ۲۷)۔ لیکن اس فن کو رفتہ رفتہ بازاری بنا دیا کیونکہ ہر کس و ناکس کی تاریخ وفات و ولادت لکھنا اُن کا پیشہ بن گیا تھا (واقعات کشمیر ص ۲۰۸)۔ البتہ ایک برجستہ شاعر بھی تھے۔ وہ مجلس فتنۂ ابراہیم خان کو کمال خوبی سے منظوم کیا ہے۔ گیارہ اوراق کا ردیف تی، آن اور دی پر مشتمل ایک نامکمل دیوان حکومت کشمیر کے ادارہ تحقیق و اشاعت میں بشمارہ ۱۶۶۹ موجود ہے نمونۂ کلام:

لام قدِ من با الف قدِ تو لا شد ! — یعنی کہ وجودم بوصال تو فنا شد

در آتشم نشستہ خموش از فراق دوست — چون غنچہ ہای لالہ مرا سرمہ در گلوست

شہید از کفن مدہ دامان خون آلود شاہد را — کہ روز حشر دیگر شاہدی پیدا نخواہد شد

سے وابستہ ہوگیا۔ راستے میں ملّا محمد سعید اشرف مازندرانی کی صحبت سے بھی فیض یاب ہوا اور اپنا کلام انہیں سنا کر اُن کے مشوروں اور اصلاح سے بھی استفادہ کیا۔ جب شاہ عالم تخت نشین ہوئے (١١١٨ھ - ١١٢٤ھ) ملّا ساطع درباری شاعر کی حیثیت سے دہلی پہنچا اور شاہ عالم کی مدح میں قصیدے لکھے۔ دہلی کے دربار سے وابستہ ہونے سے پہلے ساطع شاہی فوجوں کے میر آتش اسلام خان کی تعریف میں مدحیہ قصائد لکھتا تھا۔ اور تذکرہ روز روشن[1] اور تذکرہ صحف ابراہیم[2] کے مؤلفین کے بقول اسلام خان ہی کی وساطت سے ساطع، دہلی کے شاہی دربار میں پہنچا۔ ساطع نے اسلام خان موصوف کے نام پر گلشن اسلام نامی کتاب فارسی نثر میں لکھی[3]۔

شاہ عالم کی وفات (١١٢٤ھ) اور اُس کے بیٹے جہاندار شاہ کے قتل ہونے کے بعد (١١٢٤ھ) جو نو ماہ سے زیادہ عرصے تک حکومت نہ کر سکا، ساطع، فرخ سیر کے دربار سے، جو جہاندار شاہ کے بعد تخت نشین ہوا، صمصام الدولہ[4] کی وساطت سے وابستہ ہوگیا۔ فرخ سیر کی مدح میں قصیدے لکھے اور بقول خواجہ محمد اعظم مؤلف واقعات کشمیر، فرخ سیر (١١٢٤ھ - ١١٣١ھ) کے دربار میں ساطع نے کافی تقرب و احترام حاصل کیا۔ سادات بارہہ[5] کے ہاتھوں فرخ سیر کے قتل ہونے کے بعد (١١٣١ھ) ساطع کشمیر لوٹا اور صمصام الدولہ نے جو زمین اُسے دی تھی اُس کے محصول سے

---

[1] روز روشن ص ٢٧٩ [2] صحف ابراہیم ج ٢ صحیفہ س شمارہ شاعر ٩٧ [3] ایضاً صحف ابراہیم۔

[4] صمصام الدولہ کا نام خواجہ عاصم تھا۔ بچپن سے اُس کی فرخ سیر کے ساتھ دوستی تھی۔ جہاندار شاہ کے قتل ہونے کے بعد جب فرخ سیر تخت نشین ہوا تو فرخ سیر نے اُسے صمصام الدولہ خانِ دوراں کا خطاب دے کر اُسے رئیس دربار اور اپنا ایک صاحب اقتدار درباری امیر بنا دیا۔ صمصام الدولہ اور میر جملہ نامی ایک اور درباری امیر کے نامصلحت اندیش مشوروں سے بالآخر فرخ سیر، سادات بارہہ یا سیّد برادران کے ہاتھوں قتل ہوا۔ ملاحظہ ہو: کیمبرج ہسٹری آف انڈیا ج ٤؛ شارٹ ہسٹری آف انڈیا تالیف اے سی چیٹرجی۔

[5] سادات بارہہ، قرون وسطی میں ہندوستان آئے اور میرٹھ اور سہارن پور کی حکومت حاصل کی۔ بارہہ، دہلی کے نزدیک ایک گاؤں کا نام تھا جسے انہوں نے آباد کیا اور وہیں رہنے لگے۔ سادات مذکور شہنشاہ اکبر کے عہد سلطنت سے شجاعت و جوانمردی میں معروف و ممتاز تھے۔ فرخ سیر کے عہد میں سادات بارہہ کے دو بھائی امیر الامرا سید حسن علی خان اور قطب الملک سید عبد اللہ خان ملکی ساحت میں جزو و کل کا مالک بن گئے اور "برادران بادشاہ گر" کے نام سے معروف ہوئے۔ سلطنت کا سارا انتظام اُن ہی کے دست اقتدار میں تھا اور اُن ہی دو بھائیوں نے بالآخر فرخ سیر کو ١١٣١ھ قتل کیا۔ ملاحظہ ہو منتخب اللباب تالیف خافی خان ج ٢ ص ٨١١ - ٨١٥۔

خوشحالی کے ساتھ زندگی بسر کی اور شعر و شاعری کے فن کو جاری رکھا۔[۱]

ساطع ایک خوش مشرب، خوش صحبت، خوش خلق اور خوش طبع آدمی تھا۔ ۱۱۴۳ھ میں وفات پائی۔[۲] ساطع کی نثری تصنیفات کے بارے میں مؤلف صحف ابراہیم نے شاہ عالم کی فوج کے میر آتش اسلام خان کے نام پر گلشن السلام نامی فارسی نثر میں لکھی ہوئی کتاب کا ذکر کیا ہے[۳] اور برہان قاطع سے انتخاب کر کے حجت ساطع نامی فارسی نثر کی ایک اور کتاب کو بھی ساطع کی

۱؎ صحف ابراہیم کے مؤلف نے ساطع کا سال وفات ۱۱۵۰ اور صاحب تذکرہ روز روشن نے ۱۱۵۶ھ بتایا ہے۔ لیکن یہ دونوں تاریخ غلط ہیں کیونکہ ساطع کی وفات اُس کے ہمعصر اور بیس سالہ قدیمی دوست خواجہ محمد اعظم دیدہ مری صاحب واقعات کشمیر کی زندگی میں واقع ہوئی اور موخر الذکر نے اُسکی وفات پر جو تاریخ لکھی ہے اُس سے ۱۱۴۳ھ نکلتا ہے جو صحیح ہے۔ خواجہ اعظم نے ساطع کے بارے میں لکھا ہے "بیست و یک رمضان سال ہزار و یکصد و چہل و سہ ہجری رحلت نمود و عالمی را از خویش و بیگانہ گرفتار تأسف و تلہف فرمود بتخصیص راقم حروف، کہ بیست سال بفرط محبت و اتحاد مجلس آرای صحبت و بادہ پیمای الفت بذکر اشعار آبدار و طرح قافیہ ہای بداہت شعار چہ در حضور و غیبت بزم لطف طبع و راحت افزای حاصل بود، قرین درد فراق گذاشت و این تاریخ را راقم حروف بہ الماً بر صفحہ عزت نگاشت:

مہر اوج سخن وری ساطع!	از صفا ذہن انورش لامع
رایت عالی فصاحت را!	بود رای متین او رافع!
صحبتش وقت نکتہ پیرائی	بفقیر و غنی نسبی رافع!
از علو فطانتش استاد!	بود جویای او زہی طالع!
بزم آرای شعر شد یک چند	آن باصناف معرفت جامع
پردۂ جسمش ارچہ فانی گشت	روح قدسیش شد بحق راجع
گفت اعظم لسال تاریخش	نور ایمان بمرقدش ساطع"

ملاحظہ ہو واقعات کشمیر ص ۲۸۸ - ۲۸۹

۲؎ صحف ابراہیم ج ۲ صحیفہ س شمارہ شاعر ۹۷۔

۳؎ صحف ابراہیم ج ۲ صحیفہ س شمارہ شاعر ۹۷۔

Scanned with OKEN Scanner

تصنیف بتایا ہے[1]. لیکن کشمیر میں لکھے گئے تذکروں میں ان کتابوں کا کوئی ذکر نہیں[2]۔
شعری تصنیفات میں ساطع کا کلیات جس میں حمد بدرگاہ ایزدی، قصاید اور غزلیات ہیں، باقی رہا ہے اور جنگ فیل نامی ایک مثنوی بھی اُس کی موجود ہے۔ جو کلیات میں شامل ہے مخزن الغرائب کے مؤلف کے بقول ملا ساطع کے اشعار کی تعداد "قریب چہار و پنجہزار"[3] اور صحف ابراہیم کے مؤلف کے بیان کے مطابق صرف تین ہزار ہے۔

تذکرہ نگاروں نے ملا ساطع کی شاعری کے بارے میں اپنی رائے کا اظہار یوں کیا ہے:-

نگارستان سخن میں آیا ہے:

"ملا ساطع کشمیری است و در اقلیم نظمش رتبہ امیری...[4]"

صحف ابراہیم میں درج ہے:

"... ... نظمش خوش و نثرش دلکش ... ...[5]"

مخزن الغرائب کے مؤلف کا بیان ہے:

"فقیر دیوان او را دیدہ ــــ چندان مزہ ندارد[6]"

صاحب واقعات کشمیر نے لکھا ہے کہ

"چون طبع موزون داشت میل شعر بر طبعش غالب شد ... ... در اندک زمانی ترقی نمایان کرد برو اقران فائق شد ... اشعار آبدارش ہمہ بیاضی است ...[7]"

مؤلف تاریخ حسن کہتا ہے کہ

"چون میل شعر بر طبع او غالب شد اولاً از لالہ ملک شہید اصلاح میگرفت۔ ثانیاً از میرزا داراب جویا استفادہ نمودہ بر اقران فائق شد... بخدمت

---

(۱) مؤلف روز روشن نے بھی اس کی تائید کی ہے۔ برہان قاطع محمد حسین بن خلف تبریزی متخلص بہ برہان کی تالیف ہے (سال ۱۰۶۲ھ)

(۲) البتہ مؤلف تاریخ حسن نے ساطع کی نثر کے بارے میں یہ ضرور لکھا ہے کہ "در نثر نویسی ہم بےنظیر وقت بود۔" لیکن نثری تصنیفات کا کوئی نام نہیں لیا ہے۔ (۳) مخزن الغرائب ج ۲ ص ۱۸۰ ؛ (۴) نگارستان سخن تالیف سید نور الحسن ص ۳۷ (۵) صحف ابراہیم ج ۲ صحیفہ س شمارہ شاعر ۹۷ ؛ (۶) مخزن الغرائب ج ۲ ص ۱۸۰ (۷) واقعات کشمیر ص ۲۴۸ ؛

شاہ عالم بہادر باریاب حضور گشتہ بمدارج اعلیٰ ارتقا نمود و بعد انتقال او در دربار فرخ سیر بمراتب عالیہ سرفرازی یافت و بعد شہادت او بوطن مراجعت کردہ زندگانی خود در کامرانی و شعرخوانی بسر برد ....[۵]"

ساطع کے کلام میں اسلوب کے لحاظ سے اُس زمانے کے مروجہ مذاق شعری کے مقابلے میں انحراف پایا جاتا ہے۔ اُس نے اپنی لطافت طبع و ذہن رسا سے کلام میں سادگی بیان، اور جدت اسلوب سے کام لیا ہے اور اکثر پرانے مضامین کو نئے سانچے میں ڈھالا ہے اور ان مضامین کو ایسے باندھا ہے گویا خاص اُسی کے ہو گئے ہیں۔ ذیل کے اشعار میں تخیل اور اسلوب کا تنوع دیکھئے:

از تنگی آن دہن چگویم! — گنجایش گفتگو ندارد
دو عالم بر شکوہ کبریای عشق تنگ آمد — جہانی دیگر ار باشد توان از خویش بیرون شد
ندانم نقد دل از من کہ دزدید اینقدر دانم — کہ در درگاہ حسنش شانہ آویزاست گیسوی
طرز چشم تو تغافل نگہیست — خلق کج لازم بیمار است
مرا عشق مجازی از حقیقت کی کند غافل — دہان غنچہ می بوسم کز و بوی تو می آید
شکایت ز جور ہای نگاری ندارم — سرم خاک و در دل غباری ندارم
مانند زخم دوختہ بر وضع روزگار — کردیم ضبط خندۂ بی اختیار خویش
آن دہان تنگ جای یک تبسم وا نیست — پستہ با او خویش را سنجیدہ جای خندہ است

ساطع وطن سے باہر جا کر زمانے کے انقلابات اور اورنگ زیب عالمگیر کے جانشینوں کے درمیان اقتدار حاصل کرنے کی وجہ سے قتل و غارت اور کشت و خون کا چشم دید گواہ رہا تھا۔ اس سے اُس کے مشاہدہ اور متانت میں وسعت و استواری پیدا ہوئی اور یہی وجہ ہے کہ مؤثر تر انداز میں دنیا کی بے ثباتی کے بارے میں اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے:

اعتمادی نیست انس طائر اقبال را — این کبوتر بر زبان مشتاق بام دیگر است
در چنین عہدی کہ اوضاع جہانی نادیدنی است — دیدۂ تصویر اگر باز است جای حیرت است

مناسب اور ہم آہنگ کلمات کا بعض غزلوں میں استعمال کر کے انہیں موسیقی کے نزدیکتر

۵؎ تاریخ حسن ج ۴ ص ۳۵؛

کر دیا ہے۔

ز فیض ساغر بزم مستان شگفته روئی چو گل بلستان
شود از تبسم مشو از تکلم گهی گل افشان گهی دُر افشان
ترا چو لیلی هزار مجنون خراب چشمت غزال هامون!
ز رشک بوی تو مشک شد خون بدشت رفتی چو کاکل افشان!

ساطع میں تشبیہات کی تازگی بھی پائی جاتی ہے۔

خط مشکین که از آن عارض زیبا برخاست / دود آهی است که از آتش دلها برخاست
شفق گشت هوا تا بگلستان رفتی / بسکه از شرم تو رنگ از رخ گلها برخاست
سبزه بنزد بسر تربت مجنون که خاک / مژه اش باز بامید تمنا برخاست

اور مضمون آفرینی بھی۔ ساطع نے مضمون آفرینی کو واقعیت نگاری سے ملا کر ایک نئی کیفیت پیدا کرنے کی کوشش کی ہے۔ مثلاً

ترا بنز در بصورت، مرا بمعنی خویش / کمال حسن ترا، و مراست حسن کمال
مرا از شمع شد این نکته روشن / که گرمی های این مردم زبانی است
بعد مردن نزد مهر تو ازما که کفن / آتش شوق شهیدان ترا دامان است

جن اشعار میں تصوف کا پہلو نمایاں ہے اُن میں فقط مضمون آرائی نہیں بلکہ سادگی و تاثیر بھی پائی جاتی ہے۔

مفتم نه ز جام عشق مستی دادند / کاین نیستیم بنقد هستی دادند!
سرمایه هر آنچه بود دادم از دست / ارزان نه متاع تنگ دستی دادند!
شراب عشق تازه اولین جوش / مرا شد لشاتین از دل فراموش
نمو شاروزی که برپای تو سر گرم نیاز افتم / دم برخاستن چندان روم از خود که باز افتم

لیکن ساطع نے بھی اپنے سبک نگارش میں انفرادیت پیدا کرنے کے باوجود مروجہ مذاقِ سخن کے مطابق لفظی صنعت گری اور محاورہ بیانی کے رشتے کو ہاتھ سے نہیں چھوڑا۔ وہ بھی ان خارزاروں میں الجھا رہا اور دل و جگر کو خون کرنے کی بجائے بقول خود

می گلگون بدل طرح بهار عشرت انداز / چو خون شد فکر معنی های رنگین می شود پیدا

اور فکر کے خون کرنے کی وجہ سے ہی مجموعی طور پر اُس کی غزلوں میں تاثر و تاثیر کا عنصر اُبھر نہ سکا۔ عشقیہ مضامین جہاں بھی باندھے ہیں۔ الفاظ کی صنعت گری کے سنگین بوجھ کے تلے مفہوم پامال ہوتا نظر آتا ہے۔ یہ چند شعر مثال کے طور پر ملاحظہ ہوں ؎

عندلیباں را بود دور از تو در گلزار ہا ــــ ہمچو آتش در نیستان نالہ در منقار ہا

زہر زخمی است جوی خون رواں از تیغ او را ــــ شہیدش کربلائی میکند داماں صحرا را

جان شیریں لب او خندہ بہانستاندا ــــ طمع بوس گدایان چہ زیاد از دہن است

میان ابروانت خال ہم بجیدہ میگوید ــــ کہ صید دل زشاہین ترازوی تو می آید

دنیا و آخرت بریاضت کشان دہند ــــ دارد کمان زحلہ نشینی دو خانہ را!

دہن تنگ تو گویا بگلستان خیال ــــ غنچۂ باغ عدم در چمن امکان است

چون تہی دست بیازار جنون آمدہ ایم ــــ نقد داغم شدہ سرمایۂ سودا اینجا

(باقی)